افتتاحی تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۳۷ء

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

افتتاحی تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۳۷ء

(تقریر فرمودہ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۳۷ء بمقام قادیان)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کے مختلف نام ہیں اور ان ناموں میں سے یا ان صفات میں سے جو وُہ رکھتا ہے اور جو اس نے اپنے کلام مجید میں بیان فرمائی ہیں دو صفتیں قابض اور باسط کی ہیں۔ یعنی وہ کسی وقت انسان یا قوم کیلئے قبض کی حالت پیدا کرتا ہے اور کسی وقت انسان یا قوم کیلئے بسط کی حالت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش ہوتی ہے اور بسا اوقات انسان کی حالت پر بہت بڑا رحم بھی ہوتا ہے۔ جب کہ قبض حالتِ ایمان اور عرفان میں ایک سکون کا نام ہو تو خدا تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک بہت بڑی رحمت ہوتی ہے۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے میں منافق ہوں، آپ دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ مجھے اس حالت سے نکال دے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں یہ خیال کیونکر پیدا ہوا۔ اس صحابی نے کہا میں آپ کی مجلس میں آتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ میرے سامنے ہے لیکن جب مجلس سے باہر جاتا ہوں تو پھر یہ کیفیت نہیں رہتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا یہ تو خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اگر ہر وقت اسی رنگ میں جنت و دوزخ کی کیفیت سامنے رہے تو انسان مر نہ جائے۔[1]

پس جب ایمان اور عرفان میں کمی محسوس نہ ہو بلکہ کبھی ولولہ اور جوش والا ایمان ہو اور کبھی سکون والا تو یہ دو مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں اور دونوں دُنیا میں نظر آتی ہیں مثلاً ماں باپ کے پیار کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ماں کبھی بچہ کو گود میں لے کر نہایت سکون کی حالت میں بیٹھی ہوتی ہے اور کبھی اس کو چھیڑتی اور گدگداتی ہے۔ یہی حالت رُوحانی عشق اور محبتِ الٰہی کی ہوتی ہے کبھی محبت

سکون والی ہوتی ہے اور یہ کمیٔ محبت نہیں بلکہ محبت کی ایک قسم ہے، کبھی محبت جوش اور ولولہ والی ہوتی ہے۔ کسی وقت ماں بیمار بچہ کو بار بار جگاتی اور پوچھتی ہے کہ کیا حال ہے۔ مگر دوسرے وقت ذرا آہٹ ہو تو شور مچا دیتی ہے کہ بچہ سو رہا ہے، شور مت کرو۔ جب قبض اس رنگ کا ہو کہ ایمان کی حالت میں، ایثار کی حالت میں، قربانی کی حالت میں سکون ہو کمی نہ ہو تو یہ ایمان اور قربانی کی ایک قسم ہے لیکن جب قبض اس قسم کا ہو کہ انسان محسوس کرے شرعی احکام پر عمل کرنا اس کیلئے بوجھ اور خدا کیلئے قربانی کرنا دوبھر ہے تو یہ قبض ابتلاء والی ہوتی ہے یعنی خدا تعالیٰ امتحان لیتا ہے کہ یہ بندہ میرے ساتھ لذت کیلئے تعلق رکھتا ہے یا اسے مجھ سے حقیقی محبت ہے۔ کئی لوگ نماز اس لئے پڑھتے ہیں کہ اس میں انہیں لذت اور سرور آتا ہے اور جب اس میں کمی ہو جائے تو نماز پڑھنا چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ لیکن ایک اور انسان ہوتا ہے، اس پر اگر ایسی حالت آئے تو وہ کہتا ہے کہ جب نماز میں لذت آتی تھی تو وہ خدا تعالیٰ کا فضل، انعام اور احسان تھا اور اب نہیں آتی تو مجھے اس وجہ سے عبادت نہیں چھوڑ دینی چاہئے۔ دیکھو! بعض اوقات کوئی شخص کسی گاؤں میں جائے تو وہاں کے شرفاء میں سے کوئی کہتا ہے آؤ رس پیؤ، گُڑ کھاؤ، لسّی پیؤ، کھانا کھاؤ۔ یہ ایک احسان ہوتا ہے لیکن اگر کوئی اس لئے کسی گاؤں میں جائے کہ لوگ کہیں کچھ کھا لو تو یہ کمینگی ہوگی۔ اسی طرح وہ انسان جو سمجھتا ہے کہ لذت کا حاصل ہونا محض خدا تعالیٰ کا احسان ہے میرا فرض یہ ہے کہ ہر حالت میں اس کے حضور سرِ عبودیت خَم کروں۔ وہ جب اس دَور میں سے گزر جاتا ہے تو اس کی روحانیت اور زیادہ ترقی پر ہوتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کہتا ہے جب میرے اس بندے نے اس حالت میں بھی مجھ سے تعلق نہیں توڑا جب کہ وہ لذت سے محروم ہو گیا تو میں کیوں نہ اسے ترقی دوں۔ پس ایسے انسان کا قبض کے بعد بسط اس کے پہلے بسط سے زیادہ اعلیٰ ہوتا ہے۔ گویا اس کا ابتلاء اور قبض ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ پتھر پانی میں پھینکا جائے بلکہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح گیند زمین پر مارا جائے جو کہ اور زیادہ اونچا جاتا ہے۔

تیسری قسم کا انسان وہ ہوتا ہے جو قبض کی حالت میں خدا تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھتا ہے وہ کہتا ہے اب مزا نہیں آتا۔ جب کسی پر یہ حالت آتی ہے تو اس کے بعد اس کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کا جب قبض کُھلتا ہے تو اس میں بشاشتِ ایمانی نہیں ہوتی بلکہ بشاشتِ کفریہ پیدا ہو چکی ہوتی ہے، وہ ایمان کی بجائے کفر کے زیادہ قریب ہوتا ہے یا نفاق کے، وہ سمجھتا ہے اصل حقیقت یہی ہے پہلے میں غلطی پر رہا۔

قوموں کی بھی یہی حالت ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ ابتلاء لاتا ہے تو کئی ایسے ہوتے ہیں جن کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ منافقوں نے جب مؤمنوں کو ڈرایا کہ تمہارے خلاف تمام لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ اس زمانہ کے احراری، پیغامی، منافق سب اکٹھے ہو گئے اس پر بجائے اس کے کہ مؤمن ڈرتے ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور وہ کہنے لگے کیا سب لوگ ہمارے خلاف اکٹھے ہو گئے ہیں۔ یہی تو خدا تعالیٰ نے ہمیں بتایا تھا، اب اس کی بات پوری ہو گئی۔[۲] گویا جب منافقین نے مؤمنوں کو مرعوب کرنا چاہا تو انہیں وہ آیات یاد آ گئیں جن میں خدا تعالیٰ نے بتایا تھا کہ سب لوگ اکٹھے ہو کر تم پر حملہ آور ہونگے، اور کہنے لگے خدا تعالیٰ کی یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔

غرض جس چیز کو منافقین نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کا ذریعہ سمجھا وہی ان کے ایمان کی تقوّیت کا موجب ہو گئی کیونکہ وہ بُزدل نہ تھے۔ بُزدل ہی تکلیف اور مصیبت کے وقت ڈرا کرتا ہے۔ بہادر اور زیادہ ہمت اور حوصلہ کا اظہار کرتا ہے۔ ایک دوست اب تو وہ احمدی ہیں جب غیر احمدی تھے تو انہوں نے ایک دفعہ مجھ سے کہا ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی اور وہ یہ کہ آپ بیمار ہوتے ہیں، آپ کا گلا خراب ہوتا ہے، صحت خراب ہوتی ہے مگر پھر بھی جلسہ میں جاتے اور اتنی لمبی تقریر کرتے ہیں کہ دوسرے تندرست آدمی بھی نہیں کر سکتے۔ یا تو یہ بات غلط ہے کہ آپ بیمار ہوتے ہیں یا پھر ایسی بات ہے جو میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میں نے کہا بیماری کے بعض حصے بالکل ظاہر ہیں جیسے کھانسی وہ خود کس طرح بنائی جا سکتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب مؤمن ایک کام کرنے کا ارادہ کر کے اپنی پوری طاقت سے کام لے تو خدا کی نُصرت اس کیلئے نازل ہوتی ہے اور اس کو اتنی طاقت عطا کرتی ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہوتی کیونکہ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ میں کیا ہوں اور مجھ میں کتنی طاقت ہے بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ اس وقت خدا تعالیٰ کس قدر قربانی کا مطالبہ کرتا ہے اور جب وہ اس کیلئے پورا عزم کر لیتا ہے تو اس کے مطابق خدا تعالیٰ اس کی حالت بنا دیتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ہی ہم دیکھتے ہیں۔ آپ اپنے گھر میں ہیں، چار دیواری کے اندر ہیں، شہر میں ہیں اُس وقت مدینہ کے انصار آ کر باری باری آپ کے مکان پر پہرہ دیتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے بہت شور کی آواز سنی تو باہر تشریف لائے اور پوچھا کیا ہے؟ انصار نے عرض کیا ہم پہرہ دینے کیلئے آئے ہیں اور ہتھیار بند ہو کر آئے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔[۳] اس سے قبل جو پہرہ کیلئے آتے وہ ہتھیار بند ہو کر نہ آتے پھر وہ بھی ہتھیار لانے لگے۔

اسی طرح بدر کے موقع پر صحابہ نے مجبور کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے بٹھا دیا کہ آپ دعا کریں دشمن کا مقابلہ کرنا ہمارا کام ہے اور یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالی۔[۴] ایک اور موقع پر جب کہ ضرورت اور حاجت بہت زیادہ تھی اور حالات بدتر تھے، سپاہی کم تھے دشمن زور آور تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں نہیں بلکہ میدانِ جنگ میں تھے، مسلمان سپاہ بھاگ گئی تھی اور صرف چند آدمی آپ کے پاس رہ گئے تھے، جب کہ چار ہزار تیر انداز آپ پر تیر برسا رہے تھے کہ صحابہ نے آپ کا گھوڑا روک لیا اور کہا کہ آپ پیچھے چلیں۔ اُس وقت آپ نے فرمایا گھوڑا چھوڑ دو اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبُ۔[۵] میں خدا کا نبی ہوں اور جھوٹا نہیں ہوں کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایک وقت تو شریعت اور قانون کی رُو سے پہرہ ضروری قرار دیا جاتا ہے اور پسندیدگی کا اظہار کیا جاتا ہے مگر دوسرے موقع پر وہی انسان اَور عمل ظاہر کرتا ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ میدانِ جنگ تھا اور میدانِ جنگ میں پہرہ کا کیا سوال مگر بدر بھی میدانِ جنگ ہی تھا وہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا۔ لڑائی میں شریک ہونے کی بجائے الگ رہے۔ یہ کیوں؟ اِس لئے کہ مدینہ کا موقع اور وہاں کے حالات ایسے تھے جہاں مسلمانوں کا جتھہ مضبوط تھا اور مؤمن آپ کی حفاظت کرنے کیلئے تیار تھے وہاں آپ نے عام قانون استعمال کیا کہ حفاظت کیلئے انتظام اور تدابیر کرو۔ پھر بدر کے موقع پر بیشک میدانِ جنگ تھا مگر آپ کے پاس ایسے سپاہی تھے جو لڑ رہے تھے اور جنہوں نے آپ سے عرض کی تھی کہ آپ بیٹھے رہیں لیکن ہوازن کے مقابلہ پر اسلامی لشکر بھاگ چکا تھا اور صرف بارہ آدمی آپ کے پاس رہ گئے تھے۔ تب وہ وقت آ گیا جب اس بات کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عملی ثبوت پیش کریں کہ مسلمانو! مجھے تمہاری امداد کی پرواہ نہیں اگر کوئی امداد کرتا ہے تو ثواب حاصل کرے گا ورنہ میں اکیلا ہی دشمنوں کا مقابلہ کروں گا۔ اس وقت عام قانون برتنے کا وقت نہ تھا کیونکہ امن نہ تھا اور یہ وقت خدا تعالیٰ کی نُصرت کا نظارہ دکھانے کا تھا۔ یہ قومی حالات قبض کے ہوتے ہیں اس وقت مسلمانوں کے اندر تنزلزل پیدا ہو گیا، لشکر بھاگ گیا۔ اس وقت جو لوگ آپ کے ساتھ رہے وہ کامل ایمان والے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بہت اعلیٰ رُتبے پائے۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عباسؓ اور بعض انصار بھی تھے، تو قوموں پر بھی قبض اور بسط کی دونوں حالتیں آتی ہیں اور افراد پر بھی۔ مؤمن قبض کی حالت میں اور بھی زیادہ ایمان پر پختہ ہوتا اور اخلاص میں بڑھتا ہے۔ وہ بتا دیتا ہے کہ سامان وہ اس لئے استعمال کرتا ہے کہ خدا کا حکم ہے

اور پھر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے حضور ڈال دیتا ہے۔ اس وقت اس کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید اور نصرت نازل ہوتی ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل قبض اور بسط کی ایک عجیب حالت کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ پہلی بیوی سے آپ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جو آپ کو بہت پیارا تھا۔ اس وقت آپ اچھے عہدہ پر تھے، آسودگی تھی، اس بچہ کی بہت خاطر کی جاتی تھی۔ جب وہ کچھ بڑا ہوا تو ایک دن اس نے کہا گھوڑا لے دیں میں اس پر سوار ہوا کروں گا۔ وہ کچھ بیمار تھا آپ اُسے دوائی دے کر مکان سے باہر آئے اور ایک آدمی کو بُلا کر سمجھا رہے تھے کہ اس قسم کا گھوڑا خرید لاؤ کہ ایک لڑکی اندر سے آئی جس نے کہا لڑکا فوت ہو گیا ہے۔ آپ نے جو دوائی اسے دی اس سے اسے اُچّھو آ گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی جان نکل گئی۔ آپ فرماتے، اس وقت مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ دماغ کی حالت مختل سی ہو گئی اور جب نماز کا وقت آیا، غالباً مغرب کی نماز کا وقت تھا کہ اس وقت طبیعت پر بڑا بوجھ تھا کہ اتنی دعائیں کیں مگر بچہ فوت ہو گیا۔ آخر جب نماز کیلئے کھڑا ہوا اور سورہ فاتحہ پڑھنے لگا تو سخت قبض کی حالت تھی۔ میں نے سمجھا خدا تعالیٰ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [6] کہو مگر میں کس منہ سے کہوں۔ ایک ہی بچہ تھا وہ بھی مر گیا ایسی حالت میں اگر میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہوں گا تو یہ منافقت ہوگی۔ اس وجہ سے میں خاموش کھڑا رہا اور مقتدی حیران کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس کے بعد یکدم زور سے میں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ کر سورہ فاتحہ پڑھنی شروع کر دی۔ نماز کے بعد مقتدیوں نے پوچھا آج کیا ہوا۔ پہلے تو آپ خاموش کھڑے رہے پھر جھٹکا کے ساتھ سورہ فاتحہ شروع کی۔ اس پر آپ نے ان کو وہ کیفیت بتائی جس کی وجہ سے خاموش رہے۔ پھر فرمایا آخر مجھے خیال آیا نور الدین تجھے کیا معلوم کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر چور ہوتا یا فریبی ہوتا اس طرح تیرے لئے دُکھ اور رنج کا موجب بنتا۔ یہ خیال آتے ہی بے اختیار زبان سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نکل گیا۔ تو موت بھی خدا تعالیٰ کا احسان ہی ہوتا ہے۔ تو قبض کی حالت کے متعلق مؤمن جب یہ سمجھتا ہے کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے تو وہ فی الواقع نعمت ہی بن جاتی ہے۔ میں تمہیں ایک مثال سناتا ہوں شاید کبھی نہ کبھی ہر شخص سے یہ معاملہ پیش آیا ہو، مجھ سے بھی ایسا ہوا ہے۔ بعض دفعہ ایک شخص کو کوئی چیز دیتے ہیں اور پھر بتاتے ہیں کہ فلاں کو دے آؤ۔ مگر جلد بازی سے اِدھر چیز دی جاتی ہے اور اُدھر لینے والا کہہ دیتا ہے جَزَاکَ اللّٰہُ آپ نے میرا بھی خیال رکھا۔ اس وقت کیا کسی کو جرأت ہو سکتی ہے کہ کہے یہ تمہارے لئے نہیں بلکہ کسی اور کیلئے ہے۔ نہیں

بلکہ اس وقت وہ چیز اسی کو دے دی جاتی ہے۔ پھر جب یہ چھوٹی سے چھوٹی شرافت اور سخاوت جس سے تم کام لیتے ہو کہ جو شخص کسی اور کی چیز کو اپنے لئے انعام سمجھتا ہے، تم اس کے لئے وہ انعام بنا دیتے ہو، تمہارے اندر موجود ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کسی پر ابتلاء لائے اور وہ اسے انعام سمجھے مگر خدا تعالیٰ اسے انعام نہ بنا دے۔ خدا تعالیٰ یہی فیصلہ کرے گا کہ میرے اس بندے نے ابتلاء کو انعام سمجھا ہے، پھر میں کیوں نہ اسے انعام بنا دوں۔ یہی نکتہ مولانا رومی نے اپنی مثنوی میں یوں بیان کیا ہے کہ:۔

ہر بلائیں قوم را حق دادہ است
زیر آں گنج کرم بنہادہ است

زیر آں گنج کرم بنہادہ است کے یہی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مصیبت آتی ہے، اس پر جب وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتا ہے تو خدا تعالیٰ اس موقع کو بھی اس کے لئے اَلْحَمْدُ کا موقع بنا دیتا ہے۔ پس حقیقی ابتلاء بھی انعامی بن جاتا ہے بشرطیکہ اسے انعامی بنا لیا جائے اور یہی چیز قوم کی ترقی کا موجب ہوتی ہے۔ بسط تو ہے ہی ترقی، خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ روشنی میں منافق بھی چل پڑتے ہیں۔ پھر جب فتح ہوتی تو منافق بھی کہتے ہمیں حصہ دو۔ ہاں تنزّل ابتلاء کے وقت ہوتا ہے۔ اگر انسان ابتلاء کو انعام بنا لے تو قدم آگے ہی آگے بڑھتا ہے۔ پس ہماری روحانی اور دنیاوی ترقی خدا تعالیٰ نے ہمارے اختیار میں رکھی ہے۔ ہم چاہیں تو اللہ تعالیٰ پر حُسن ظنی کر کے اور نیک خیال کر کے کہ جو کچھ وہ کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے اگر خدا تعالیٰ کی صفات کو (گو یہ لفظ بے ادبی کا ہے مگر چونکہ کوئی اور لفظ نہیں اس لئے یہی استعمال کیا جاتا ہے) مجبور کر دیں اور اپنے متعلق یہ یقین رکھیں کہ خدا تعالیٰ کے انعام حاصل کر سکتے ہیں تو بڑے سے بڑا ابتلاء بھی انعام بن سکتا ہے اور چاہیں تو بدظنی کریں اور سزا چھوڑ انعام کو بھی سزا سمجھ لیں اور پھر اس کے مستحق بن جائیں اور جو خدا تعالیٰ پر یا اپنے نفس پر بدظنی کرتے ہیں ان کے ساتھ سزا والا معاملہ ہی کیا جاتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ [۵] کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے جیسا کوئی بندہ میرے متعلق گمان کرتا ہے میں اس کیلئے ویسا ہی بن جاتا ہوں۔ اگر تکلیف اور ابتلاء کے وقت بھی مؤمن کہے خدا تعالیٰ کتنا بڑا مُحسن ہے اور اس نے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے تو خدا تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے اس پر احسان ہی کرو لیکن اگر انسان انعام کو سزا سمجھ لے تو پھر سزا ہی پاتا ہے کیونکہ حُسن ظنی آگے کو لے جاتی ہے اور بَدظنی پیچھے کو۔ جو قومیں خدا تعالیٰ

پر اور اپنے اوپر حُسن ظنی کرتی ہیں، وہ آگے بڑھتی ہیں اور جو بدظنی کرتی ہیں وہ پیچھے ہٹتی ہیں۔ چند ہی دن ہوئے جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر کے متعلق مَیں ایک کتاب پڑھ رہا تھا جس کے لکھنے والا ایک پروفیسر ہے، اس نے یہ بتایا ہے کہ جرمن قوم کو ذلّت سے نکال کر کس طرح ہٹلر ترقی کی طرف لے گیا۔ اس نے لکھا ہے کہ جرمن یہ خیال کرنے لگ گئے تھے کہ چونکہ ہم جنگ میں ہار گئے ہیں اس لئے ہم وہ نہیں جن کے متعلق کہا جاتا تھا کہ بڑے بہادر اور جری ہیں مگر ہٹلر نے آ کر کہا۔ میدانِ جنگ میں ہمیں کسی نے شکست نہیں دی بلکہ یہودیوں وغیرہ کے ملک میں خرابی اور بغاوت پیدا کرنے کی وجہ سے ہم ہارے، ہم اب بھی بہادر ہیں۔ اس سے نوجوانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ان کے سینے تن گئے۔ یہ خیال پیدا ہونا تھا کہ اس قوم نے سَر اٹھانا شروع کر دیا اور جب اس نے سَر اٹھانا شروع کیا تو فرانسیسی اور انگریز نے سَر جھکانا شروع کر دیا۔

جب میں نے یہ پڑھا تو کہا دیکھو کیسا اعلیٰ فلسفہ ہے مگر ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سَو سال پہلے بیان فرما دیا تھا کہ مَنْ قَالَ هَلَكَ الْقَوْمُ فَهُوَ اَهْلَكَهُمْ [8] کہ جس نے قوم کے اندر یہ خیال پیدا کیا کہ قوم خراب ہوگئی اس نے قوم کو تباہ کر دیا کیوں؟ اس نے بَدظنی پیدا کی خدا تعالیٰ کے متعلق کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں چھوڑ دیا اور بَدظنی کی اپنے نفس کے متعلق کہ ہم خود خراب ہو گئے، ہماری اصلاح کی کوئی صورت نہیں۔

اس وقت میں جلسہ کا افتتاح دعا کے ساتھ کرنے کیلئے کھڑا ہؤا تھا مگر میری باتوں نے تقریر کا رنگ اختیار کر لیا۔ آپ سب صاحبان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم اس لئے یہاں آتے ہیں کہ یہ ظاہر کریں۔ اے خدا! ہم آپ پر حُسن ظنی رکھتے ہیں اور پوری طرح یقین رکھتے ہیں کہ جس مقصد کیلئے آپ نے ہمیں کھڑا کیا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ گویا ہم یہاں کسی قسم کی مایوسی کے اظہار کیلئے نہیں بلکہ اس لئے آتے ہیں کہ یقین اور ایمان کا اظہار کریں اور خدا تعالیٰ سے کہیں کہ ہمیں تیرے وعدوں پر پورا پورا یقین ہے اور ہم تیری آواز پر لبیک کہتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ یہاں جو تقریریں کی جائیں، ان میں بھی یہی بات مدنظر ہونی چاہئے اور اپنے جذبات سے بھی یہی ظاہر کرنا چاہئے۔ کوئی احمق ہی خیال کر سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ پر بَدظنی بھی کرے اور وہ اسے ترقی اور عروج کی طرف لے جائے۔ یا اپنے نفس پر بَدظنی کرے اور پھر نیک بن جائے۔ اگر کوئی پاگل اپنے آپ کو کُتّا سمجھے تو وہ تقریر کرنے کھڑا نہیں ہو جائے گا بلکہ بھوں بھوں کرنے لگے گا اور اگر کوئی پاگل اپنے آپ کو نبی سمجھے تو وہ مذہب کے متعلق باتیں بیان کرے گا۔ تم لوگ اگر اپنے

آپ کو انسان اور روحانی آدمی سمجھو گے اور پھر جو باتیں کرو گے وہ اگر نقلی بھی ہونگی تو خدا تعالیٰ ان کو اصلی بنا دے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

نماز کیا ہے؟ نقل ہے اپنے اندر خشوع خضوع پیدا کرنے کی۔ نماز میں انسان اس قسم کی حرکات کرتا ہے جو ایک مضطرب کرتا ہے اور اخلاص سے اگر نقل بھی کی جائے تو خدا تعالیٰ اسے اصل بنا دیتا ہے۔

پس یہ کوشش ہونی چاہئے کہ اس جلسہ کے موقع پر دل کو اس یقین اور وثوق کے ساتھ پُر کیا جائے جس کے پیدا کرنے کیلئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے اور جس کے لئے ہمیں یہاں جمع ہونے کا حکم دیا ہے۔

دیکھو مکہ میں تمام دنیا کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ایک بچہ چھوڑا تھا، وہاں کچھ نہ تھا بے آب و گیاہ جگہ تھی، ایک مشکیزہ پانی کا اور ایک تھیلی کھجوروں کی رکھ کر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے چلے تو رِقّت کی وجہ سے یہ حالت تھی کہ بول بھی نہ سکتے تھے۔ حضرت ہاجرہ نے پوچھا آپ ہمیں یہاں چھوڑے جاتے ہیں تو کوئی جواب نہ دے سکے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں آپ منہ مکہ کی طرف کر کے اُلٹے پاؤں چلتے اور ان کی طرف دیکھتے جاتے۔ وہاں کوئی سامان نہ تھا آخر حضرت ہاجرہ نے پوچھا کیا خدا کے حکم سے چھوڑ رہے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تب بھی ان سے کوئی جواب نہ دیا گیا بلکہ آپ نے آسمان کی طرف سر اُٹھا دیا جس کے معنی یہ تھے کہ خدا کے حکم سے ہی چھوڑ رہا ہوں۔ تب حضرت ہاجرہ نے کہا۔ اِذًا لَّا يُضَيِّعُنَا [9] اگر خدا نے یہ حکم دیا ہے تو وہ خود ہماری حفاظت کرے گا۔

دیکھو کُجا وہ جنگل بے آب و گیاہ اور کجا یہ حالت کہ سالانہ دنیا بھر کے لوگ وہاں جاتے ہیں اور لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کہہ کر ظاہر کرتے ہیں کہ ہم حضرت اسماعیل کی جگہ حاضر ہو گئے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی خدمت کیلئے موجود ہیں۔ پھر اس مقام پر جا کر پتہ لگتا ہے کہ ہم سے کس طرح کی قربانیاں خدا تعالیٰ چاہتا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ خیال کرنا کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانی کرنے سے انسان تباہ ہو جاتا ہے، خدا تعالیٰ پر کتنی بڑی بدظنی ہے۔ کیا خدا تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تباہ ہونے دیا اگر نہیں تو اور جو کوئی اس کی راہ میں قربانی کرے

گا، وہ بھی تباہ نہ ہوگا بلکہ ہمیشہ کیلئے زندہ ہو جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس جلسہ کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ میں نے مقرر نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے اور جو شخص یہاں آ کر دیکھتا ہے کہ پہلے کیا حالت تھی اور اب کیا ہے وہ خوب اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی آواز پر کھڑے ہونے والے کبھی ناکام نہیں ہو سکتے۔ کُجا وہ وقت کہ بٹالہ کے ایک مُلّا نے کہا میں نے اس (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کو اُونچا کیا ہے اور میں ہی اسے گرا دوں گا، اور کُجا یہ حالت کہ آج اس کی رُوح بھی آ کر دیکھتی ہوگی تو حیران ہوتی ہوگی کہ میں نے کیا کہا اور خدا نے کیا کِیا۔

غرض یہاں کی ہر چیز بلکہ وہ ہر ذرّہ جو ناک میں جاتا ہے کہتا ہے کہ دیکھو خدا تعالیٰ نے کس شان سے اپنے وعدے پورے کئے اور خدا کس طرح اپنی راہ میں قربانی کرنے والوں کی مدد اور نصرت کرتا ہے۔ آپ لوگوں کو یہاں ہر سال جمع کرنے کی یہ غرض ہے کہ خدا تعالیٰ دکھائے کہ تم چھوٹی چھوٹی چیزوں پر تسلی نہ پاؤ بلکہ یہ دیکھو کہ خدا کے حضور تمہارے لئے کتنے بڑے درجات ہیں۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے دیکھو میں نے غلام احمد کو اکیلا کھڑا کیا پھر اسے کتنی ترقی دی۔ اگر تم بھی خدا کے فضلوں کی اُمید رکھو اس پر بدظنی نہ کرو، نہ اپنے نفس کے متعلق، تو خدا تم کو دوسرا غلام احمد بنا دے گا۔ خدا کے نبی دنیا میں اس لئے آتے ہیں کہ لوگ ان کے نقش قدم پر چلیں اور وہی برکات حاصل کریں۔

پس خدا تعالیٰ نے یہ جلسہ اس لئے مقرر کیا ہے کہ تا تم پر ثابت کرے کہ خدا کے وعدے ہمیشہ سچے ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کیلئے قربانی کرنے والے مرتے نہیں بلکہ زندہ رکھے جاتے ہیں بلکہ قربانی کے بعد بندہ اور زیادہ ترقی کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانی کرنے والے کی مثال اس بچہ کی ہوتی ہے جو ماں سے کہتا ہے میں مرتا ہوں اور ماں کہتی ہے تم نہ مرو۔ خدا تعالیٰ ماں سے بہت زیادہ محبت اپنے بندوں سے کرتا ہے اس لئے جب وہ اس کی خاطر موت قبول کرتے ہیں تو وہ انہیں زندہ رکھتا ہے۔ اس رنگ میں احباب کو اس جلسہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ پس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے بھی توفیق دے اور آپ سب لوگوں کو بھی کہ ہم خدا تعالیٰ پر کامل حُسنِ ظنی کریں، زیادہ سے زیادہ اپنے نفس پر حُسن ظنی کریں، اپنے نفوس کی حقیقت کو سمجھیں اور ان طاقتوں کو استعمال کرنے کی توفیق دے جو خدا تک پہنچا دیتی ہیں، اس اخلاص اور نیت کی توفیق دے جس کے ماتحت اس کے حضور قربانی قبول کی جاتی ہے، وہ اپنی محبت کی راہوں پر چلنے کی

توفیق دے، ہماری ہر گھڑی کو اخلاص اور ایمان سے وابستہ رکھے، ہمارے دلوں دماغوں اور ذہنوں میں نور پیدا کرے، ہمارے دائیں بائیں، آگے پیچھے، اُوپر نیچے، اندر باہر نور ہی نور ہو۔ ہماری اولادوں کی اور ان کی اولادوں کی غفلتوں اور سستیوں کو دور کرے۔ وہ تمام نقائص جو دین کی ترقی میں روک ہوں یا دنیا کی ترقی میں، ان کو دور کرے۔ ہم کو اپنا سچا خادم بنالے تا کہ ہم اس تعلیم کو دنیا میں قائم کرسکیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ قائم کرنا چاہتا ہے۔

(الفضل ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۷ء)

---

۱ مسلم کتاب التوبة باب فضل دوام الذکروالفکر فی امور الاٰخرة......۔

۲ اٰل عمران: ۱۷۴

۳ بخاری کتاب الجهاد باب الحرسة فی الغزو فی سبیل اللّٰه

۴ سیرت ابن هشام الجزء الثانی صفحہ ۱۵ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۵ بخاری کتاب المغازی باب قول اللّٰه ویوم حنین......۔

۶ الفاتحة: ۲

۷ بخاری کتاب التوحید باب قول اللّٰه تعالٰی و یحذرکم اللّٰه نفسه

۸ مسلم کتاب البروالصلة والاداب باب النهی عن قول هلک الناس

۹ بخاری کتاب الانبیاء باب یُزِفّون النسلان فی المشی